لہولہان کشمیر اور عالمی ضمیر

ہلال احمد تانترے ○

۱۰ دسمبر انسانی حقوق کے دن کے طور پر منایا گیا۔ مختلف انجمنوں نے انسانی حقوق کی اہمیت و افادیت کی وضاحت کے لیے مختلف پروگرامات کیے۔ کچھ نے خوشیاں منائیں اور کچھ ملول دل سے شکوے ہی کرتے رہ گئے۔ اقوام متحدہ کے عالمی اعلامیہ برائے انسانی حقوق اور اس میں چند انسانی حقوق کا تذکرہ ایک بڑے سنگ میل کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اقوام متحدہ نے دنیاے انسانیت کو انسانی حقوق دیے؟ کیا اُس سے پہلے بھی کسی نے انسانی حقوق کی بات کی تھی یا نہیں؟

اس بحث کو نظرانداز کرتے ہوئے جب جموں و کشمیر میں حکومتی سطح پر قائم شہری حقوق کے کمیشن کو، انسانی حقوق کا دن منانے کی ضرورت پڑ گئی تو انھوں نے اس دن منشیات سے تحفظ کی بات چھیڑی، جب کہ اسی کمیشن کی آنکھوں کے سامنے انسانی حقوق کی کتنی پامالیاں ہو رہی ہیں، مگر انھیں پوری ڈھٹائی کے ساتھ بالکل ہی نظرانداز کر دیا گیا۔

جموں و کشمیر کا مسئلہ بھارت اور پاکستان کے مابین دونوں ملکوں کے یومِ آزادی ہی سے پیدا ہوا، جب جموں و کشمیر کے تاریخی پس منظر، مذہبی رجحان اور جغرافیہ کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے اسے جبری طور پر بھارت کے قبضے میں معلق رکھا گیا۔ بہت سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ لیکن ۱۹۴۷ء سے آج تک بھارت، کشمیر میں ایجنٹوں کی خرید کا کھیل کھیلتا رہا، کبھی جمہوریت کے نام پر اقوام عالم کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا، کبھی ترقی کے نام پر

○ سری نگر

سادہ لوح لوگوں کو فریب دیتا رہا اور پھر مظلوموں کے بنیادی حقوق دینے سے پہلو تہی کرتا رہا۔ ۹۰ء کے عشرے میں جب یہاں کے لوگوں کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ بھارت دھوکے سے کام چلا رہا ہے تو کشمیر کے باسیوں نے عسکریت کی راہ اپناتے ہوئے اقوام عالم کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔

اکیسویں صدی میں قدم رکھتے ہی کشمیریوں نے حکمت عملی تبدیل کی اور بھارتی رویے سے بغاوت کے طور پر عوامی احتجاج کی راہ اختیار کی۔ لوگ بلالحاظ جنس وعمر گلیوں کوچوں کا رُخ کرتے ہوئے پُرامن طریقے سے استبداد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے اور اپنے اخلاقی حق کے مطالبے کو دُہراتے رہے۔ پُرامن عوامی مظاہرے بھارت کے لیے وبالِ جان ثابت ہوئے، کیوں کہ لوگوں کے پاس نہ کوئی ہتھیار ہے اور نہ کوئی عسکری مواد۔ لیکن ان پُرامن مظاہرین کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا جارہا ہے، جیسے کوئی بندوق بردار فرد، انتظامیہ پر حملہ کرنے آرہا ہو۔

اب بھارت، خاص طور پر نئی دہلی میں برسرِاقتدار حکمران پارٹی کشمیر کی موجودہ صورتِ حال سے متعلق مختلف شوشے چھوڑ کر عوامی ردِعمل کو کچلنے کے بہانے تراش رہی ہے۔ اکتوبر ۲۰۱۸ء کے دوران اس سلسلے میں ایک باقاعدہ حکم نامہ جاری کیا گیا ہے۔ جس کے مطابق احتجاجی مظاہرے میں اگر کسی قسم کی گڑبڑ ہوئی تو ذمہ داری احتجاجی اپیل کرنے والوں کے کندھے پر ہوگی۔ اس حکم نامے کا مقصد ہند مخالف احتجاج پر قدغن لگانا ہے۔ موجودہ حالات کو، ۲۰۱۶ء کی ہمہ گیر عوامی لہر کے پس منظر میں سمجھنا مناسب رہے گا۔

برہان مظفروانی کے جاں بحق ہونے کے بعد، جموں وکشمیر کے طول وعرض میں عوامی احتجاجی لہر کے اثرات، اِس واقعے کو مزاحمتی تحریک میں ایک بڑے سنگ میل کی حیثیت دیتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے تناظر میں عوامی احتجاجی لہر کی اس نئی تحریک کو اگر دورِ ماقبل برہان (Pre-Burhan Period) اور مابعدِ برہان (Post-Burhan Period) کے دو اَدوار میں تقسیم کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ ان اَدوار کی تقسیم کی کئی وجوہ ہیں۔ جن میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اب اگر کہیں حکومتی فورسز کی مڈبھیڑ عسکریت پسندوں سے ہوتی ہے تو وہاں پر عسکریت پسندوں کے حق میں عوامی مظاہرین کا سیلاب اُمڈ آتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کشمیری نوجوان، بھارت کے جنگی جنون کو دیکھتے اور

اس کے مقابلے میں یہ جانتے ہوئے کہ عسکریت پسندوں کی تعداد محض چند درجن نوجوانوں پر مشتمل ہے، دیگر نوجوان عسکریت کی طرف پے در پے مائل ہو رہے ہیں۔ سری نگر کے ایک ہفت روزہ انگریزی اخبار نے حال ہی میں ریاستی پولیس کے اعلیٰ ذرائع کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ''اس سال ۲۵۰ کے قریب عسکریت پسندوں کو مارا گیا لیکن ابھی اتنی ہی تعداد میں سرگرمِ عمل ہیں''۔ جموں و کشمیر کی تحریک میں یہ پیش رفت برہان وانی کے جاں بحق ہونے کے بعد ہی دیکھنے کو ملی۔

۲۰۱۶ء کی عوامی لہر، کشمیر کی تاریخِ مزاحمت کی طویل مدتی احتجاجی لہر تھی، جو قریباً چھے مہینوں سے زیادہ وقت تک چلی۔ اس دوران اتحادِ ملت کانفرنسوں، ہڑتالوں، احتجاجی دھرنوں، شبینہ مظاہروں اور مختلف کثیر التعداد پُرامن طریقوں سے بھارت کے جابرانہ قبضے کے خلاف ایک منظم آواز اٹھائی گئی۔ اِس پُرامن، جمہوری جدوجہد کو بندوق کی نوک پر دبانے کے لیے بھارتی جمہوریت کی فورسز نے ۱۰۰ر سے زیادہ نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مضروب کیے گئے، سیکڑوں پیلٹ (چھروں) سے آنکھوں کی بینائی سے محروم کیے گئے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس دوران بھارت کے متعصب میڈیا نے اس عوامی لہر کے خلاف پروپیگنڈے کا نہ تھمنے والا طوفان کھڑا کر رکھا ہے۔ اس عوامی احتجاجی لہر کو دہشت گردی کا نام دینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ پھر اس کو پاکستان کی پشت پناہی سے جوڑا گیا۔ اس کے بعد اوڑی کے فوجی بیس کیمپ پر حملے کی خودکار سازی کی گئی کہ کسی طرح سے عوامی اُبھار کو شوشے کی نذر کیا جائے۔ پھر سرجیکل اسٹرائک کا ہنگامہ گھڑ کے عوام کو دھوکا دینے کی ناکام یاب کوشش کی گئی۔ اُس پر بھی عوامی لہر نہ تھم سکی تو پاکستانی بلتستان کو میڈیا پر ایک فتنے کی صورت پیش کیا گیا۔ اُس سے بھی عوامی احتجاج کا سلسلہ نہ رُک سکا تو پھر آل پارٹی ڈیلی گیشن کے ذریعے مزاحمتی قائدین کے گھروں پر لایعنی دستک دی۔ وہ مسترد ہوئی تو مزاحمتی قائدین کے خلاف میڈیا کی عدالتیں بٹھا کر اُن کی کردار کشی کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی۔

رات کے اندھیروں میں چھاپوں کا سلسلہ شروع کر کے عوامی و مبنی برحق احتجاجی لہر کو دبانے کی ناکام کوشش ہوئی۔ اس کے بعد متنازعہ و اشتعال انگیز بیانات کا سلسلہ چلایا گیا۔ کسی نے کہا کہ: ''یہ ۹۵ فی صد کے خلاف محض ۵ فی صد افراد کی مزاحمتی ہنگامہ آرائی ہے''۔ پھر کٹھ پتلی حکومت

کی وزیر اعلیٰ نے ڈھٹائی سے کہا کہ: ''لوگوں کا حکومتی فورسز کی کارروائیوں میں مرنا درست ہے کیوں کہ وہ وہاں مٹھائیاں لینے کے لیے نہیں جاتے''۔ اسی طرح پاکستان کے ساتھ جنگ کا مفروضہ پیش کر کے لوگوں کو اتنا بہکایا کہ کنٹرول لائن اور اس کے ملحقہ دیہات میں جان کی حفاظت کے لیے مورچے تک کھود ڈالے گئے۔ اسی ضمن میں قومی تحقیقاتی ایجنسی کو میدان میں اُتارا اور مزاحمتی لیڈرشپ وتاجران کو ڈرانے، دھمکانے یا پابند سلاسل کرنے کا گُر آزمایا گیا، مگر پھر بھی عوامی بغاوت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ رفتہ رفتہ کشمیر کی عزت مآب خواتین کے بال تراشنے کے سنسنی خیز عمل کو بھی آزمایا گیا، لیکن کشمیر کے لوگوں نے اس آزمایش سے بھی لڑ کر استبداد کے مذموم مقاصد کو پیوند خاک کیا، اور اپنے مشن کی آبیاری کے لیے آگے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

گذشتہ دو برسوں کے دوران ان مثالوں سے یہ بات تو واضح ہوگئی ہے کہ بھارت اپنی بے بسی پر سٹپٹا رہا ہے اور اقوام عالم کے ایوانوں میں دھوکا دہی کا معاملہ کر رہا ہے۔ ۲۰۱۸ء کا سال اس حوالے سے سخت خون خرابے کی نذر ہو گیا۔ وردی پوش اہلکاروں نے کشمیریوں کی ایک کثیر تعداد کو جرمِ بے گناہی کی پاداش میں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بھارتی جمہوریت نے جہاں ڈیڑھ سالہ ہبہ نامی بچی کی معصوم آنکھوں پر پیلٹ گن سے وار کر کے بینائی چھین لی، وہیں خواتین سمیت نوجوانوں اور بزرگوں کی ایک کثیر تعداد کو بھارت کی مختلف جیلوں میں ٹھونس دیا اور مختلف کالے قوانین میں جکڑ کر ان سے جینے کا حق چھین لیا گیا۔

ایک غیر سرکاری انجمن کی طرف سے ۱۰ دسمبر ۲۰۱۸ء کو ایک تقریب میں جاری کردہ رپورٹ بعنوان خون میں لت پت وادی میں اعداد وشمار کی زبانی کہا گیا کہ: گذشتہ برس میں وادی میں آٹھ خواتین سمیت ۱۰۳ عام شہریوں کو فورسز اور نامعلوم بندوق برداروں نے نشانہ بنایا، اور کچھ شہری مظاہروں کی جگہ بارودی مواد پھٹنے کے نتیجے میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ پھر واشگاف الفاظ میں کہا گیا کہ ''۲۰۱۰ء کے بعد انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں سنگین اضافہ ہوا ہے''۔ رپورٹ کے مطابق ''عسکریت پسندوں اور فورسز کے درمیان مختلف خونیں معرکہ آرائیوں کے دوران جائے وقوع کے نزدیک ۴۰ نہتے شہری لقمۂ اجل بن گئے، جب کہ ایک طالبہ اور آٹھ خواتین جن میں ایک حاملہ خاتون بھی تھی، جاں بحق ہوئے۔ علاوہ ازیں نامعلوم بندوق برداروں نے بھی

۱۶ شہریوں کو ہلاک کیا اور دو بچوں سمیت آٹھ شہری آتشیں مواد کے پھٹنے سے جاں بحق ہوئے۔ مرنے والوں میں مزاحمتی کیمپ کے سات سیاسی کارکنان بھی شامل ہیں، حتیٰ کہ دماغی طور پر معذور دو افراد کو بھی نہیں بخشا گیا۔ اس دوران احتجاجی مظاہروں میں شریک دو نوجوانوں کو فورسز نے گاڑیوں کے نیچے کچل کر ہلاک کر دیا۔ کشمیر کے ایک معروف صحافی اور مقامی انگریزی روزنامہ Rising Kashmir کے مدیر اعلیٰ شجاعت بخاری کو نامعلوم بندوق برداروں نے گولیوں کا نشانہ بنایا''۔

حکومتی ذرائع اور اخباری اطلاعات کے اعداد و شمار کے مطابق: ''سال رفتہ میں (۱۷ دسمبر تک) کشمیر میں ۲۵۰ سے زائد عسکریت پسندوں کو جاں بحق کیا گیا، اسی طرح حکومتی فورسز کے ۹۰/اہلکار بھی ہلاک ہوئے''۔ عسکریت پسندوں میں صدام پڈر، سمیر ٹائیگر، الطاف کاچرو، توصیف شیخ، عمر گنائی، نوید جٹ کے علاوہ کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان بھی جاں بحق ہوئے، جن میں پروفیسر رافی، ڈاکٹر منان وانی اور ڈاکٹر سبزار احمد صوفی قابلِ ذکر ہیں۔

۹/دسمبر کو جب انسانی حقوق کا دن منانے کی تیاریاں کی جارہی تھیں، وہیں کشمیر میں سرینگر کے مضافات میں ۲ نوعمر عسکریت پسندوں سمیت ۳ نوجوان جاں بحق ہوئے۔ ان میں ایک کا نام مدثر احمد تھا جو محض ۱۴ سال اور نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ دوسرا نوجوان ثاقب بلال ۱۷ سال کی عمر اور بارھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ حیران کن طور پر ثاقب بلال نے کشمیر کے مسئلے پر بنائی گئی بالی وڈ فلم 'حیدر' میں کردار بھی ادا کیا تھا۔ ۱۳ دسمبر کو سوپور کے علاقے میں مزید دو عسکریت پسند جاں بحق ہوئے، جن میں ایک نے سائنس میں گریجویشن کی تھی اور انفارمیشن ٹکنالوجی کے پیشہ ورانہ کورس سے بھی فارغ التحصیل تھے۔

اس دوران ۱۵ دسمبر کو کشمیر میں اُس وقت قیامت صغریٰ برپا کر دی گئی، جب ۳ عسکریت پسندوں کے حکومتی فورسز کی کارروائیوں میں جاں بحق ہونے کے بعد علاقے میں عام شہریوں پر براہِ راست فائرنگ کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سات نوجوانوں کو بھارتی افواج نے موت کا نوالہ بنا دیا اور ۶۰ سے زیادہ افراد کو زخمی کر دیا۔ ان میں ۳۲ سالہ عابد حسین ایم بی اے گریجویٹ تھے اور انڈونیشیا میں روزی کما رہے تھے اور وہیں ایک مقامی لڑکی سے شادی کی تھی۔ عابد اپنے پیچھے بیوی سمیت تین ماہ کی بچی زینا کو چھوڑ گئے۔ دوسرے نوجوان لیاقت احمد نے گھر سے اسکول کے لیے

داخلہ فیس لے کر ضلع پلوامہ کا رخ کیا تھا، لیکن حالات کی خرابی کی وجہ سے گھر کی طرف واپسی کی راہ لی، جہاں وہ گولی کا نشانہ بنے۔ تیسرے نوجوان سہیل احمد نے نویں جماعت پاس کر کے حال ہی میں دسویں جماعت میں داخلہ لیا تھا۔ چوتھا نوجوان عامر احمد اپنے والد کا اکلوتا بیٹا تھا۔ پانچویں نوجوان اویس یوسف بارھویں جماعت میں زیرتعلیم تھے۔ چھٹے نوجوان کی شناخت توصیف احمد کے طور پر ہوئی، جو پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ پھر ساتویں نوجوان عاقب بشیر جو کہ محض ۱۴ سال کی عمر اور ساتویں جماعت کے طالب علم تھے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق عاقب بشیر کے والد مقامی ہسپتال سے گزر رہے تھے کہ اُن کو خیال آیا کہ زخمیوں کی عیادت کروں اور خون کا عطیہ دوں۔ وہاں زخمیوں کی حالت زار دیکھتے ہوئے اُن پر اُس وقت قیامت ٹوٹ پڑی، جب وہ وہاں پر اپنے بیٹے کی نعش دیکھ کر چلّا اٹھے کہ ''یہ ہو چھ میون نیچو!'' (یہ تو میرا بیٹا ہے!)۔ عسکریت پسندوں کی شناخت ظہور احمد، عدنان حمید اور بلال احمد کے طور پر ہوئی۔ ظہور احمد نے مقامی آرمی کے ایک یونٹ سے ۲۰۱۷ء میں فرار ہو کر عسکریت کی راہ اختیار کی تھی۔ ان میں ۲۴ سالہ عدنان، ۱۹ سالہ بلال بھی تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بھارت کب تک یہ خون کی ہولی کھیلتا رہے گا؟ کیا ایسی دھونس، دباؤ اور جبر وتشدد کی پالیسی سے کشمیریوں کو زیر کیا جا سکتا ہے؟ تاریخ گواہ ہے کہ متنازعہ خطے میں مظالم ڈھانے یا مار دھاڑ کی کارروائیاں عمل میں لانے سے کسی بھی انسان کو آزادی اور انصاف کے حصول سے روکا نہیں جا سکتا۔ پھر، جب کشمیر کے لوگ اپنے حق کی خاطر قربانیاں دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے، تو دنیا کی کوئی طاقت ان سے اِس حق کو بھلا دینے کا کیسے تصور کر سکتی ہے؟ اس بات کا قدم قدم پر ثبوت ملتا ہے کہ مقامی لوگ، عسکریت پسندوں اور حکومتی فورسز کے مابین تصادم کی جگہوں پر، عسکریت پسندوں کو بچانے کی خاطر باہر نکل آتے ہیں۔ بہت سے لوگ یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ کشمیر کے لوگ انکاؤنٹر یا تصادم کی جگہوں پر، گولیوں کی گھن گھرج میں کیوں عسکریت پسندوں کو بچانے کی خاطر نکلتے ہیں؟ اس 'کیوں' پر اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو بات یہ سمجھ میں آجاتی ہے کہ عسکریت پسندوں کے ساتھ لوگ اپنی وابستگی کا فطری اظہار کرتے ہیں اور اُن سے جذبۂ عقیدت کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اُن کی جانوں کو بچانا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ چند نوجوان ہیں جنھوں نے عسکریت کی راہ اپنائی ہے لیکن عام لوگ انھیں اپنے سے دور نہیں سمجھتے، بلکہ تصادم کی جگہوں پر نکل کر

وہ اقوامِ عالم کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: ''اگرچہ بظاہر یہ چند نوجوان ہی ہیں، لیکن پوری قوم ان کے ساتھ کھڑی ہے۔ اس لیے عسکریت پسندوں کو مارنے کے ساتھ ساتھ پہلے ہمارے سینوں پر گولیاں برساؤ''۔

لوگوں کے اس غیر مبہم رجحان سے اس بات کو بھی تقویت ملتی ہے کہ کشمیر کی پوری قوم بھارت نواز سیاست دانوں سے بے زار ہے۔ بھارت اپنی فوجی طاقت کے بل پر بدمست ہو چکا ہے اور کشمیری قوم کے ساتھ بحیثیت مجموعی برسرِ جنگ ہے۔ کشمیر کے متعلق دہلی کی پالیسی کا حاصل اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ ریاست میں حالات اور زیادہ مخدوش ہو جائیں۔ زمینی صورتِ حال اس بات کی گواہ ہے کہ کشمیر کی پوری قوم جابرانہ قبضے کے خلاف اپنا تن، من، دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔

کیا یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ عسکریت پسند جب کسی تصادم آرائی میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے والدین سے آخری ملاقات کی خاطر فون پر بات کرتے ہیں تو کشمیر کی عظیم مائیں انھیں دلاسہ دیتی ہیں کہ ''میرے لاڈلے، تم نے نہیں جھکنا، میں نے تمھاری اسی لیے پرورش اور تربیت کی ہے، اسی لیے تو پڑھایا لکھایا ہے کہ تیرے سینے پر گولی لگتے دیکھ لوں اور تو اپنے گھر شہادت کا عظیم مرتبہ پا کر آئے، میں تمھیں دولھے کی طرح سجا کر ربِ ذُوالجلال کے حوالے کرنے کے لیے تیار بیٹھی انتظار کروں''۔ بیٹا جب ماں سے دنیا میں اس کی کسی حق تلفی کی معافی طلب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''ماں! اب تو میں بھاگتے بھاگتے تھک گیا ہوں، مجھے تو اللہ پاک کا بلاوا آیا ہے اور ہم وہیں ملیں گے'' تو عزیمت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ماں کہتی ہے کہ ''بیٹے! تو مجھے معاف کرنا، مجھے نہیں معلوم کہ اپنے رب کے راستے میں شہادت دینے کے لیے میں تمھاری تربیت صحیح طور پر کر سکی یا نہیں، میری جان تم پر فدا ہو، جاؤ! مَیں تم سے وہیں اللہ کی عدالت میں ملاقات کروں گی''۔

اپنے مقصد کے لیے نظریاتی و جذباتی وابستگی کی اس انتہا کو دیکھ کر شاید ہی کوئی ذی حِس انسان اس خودفریبی کا شکار ہو سکتا ہے کہ کشمیر کے لوگوں کو دبائے رکھنا ممکن ہے، یا اُن کی آواز کو کچل ڈالنا، انھیں بدنام کرنا، یا انھیں اُن کے مقصد سے دور کرنے کا کوئی منصوبہ کامیاب ہو سکتا ہے۔